

مقالات

عبادت

”مضمون صفر اور ربیع الاول ۱۳۵۱ھ کے ”معارف“ میں شائع ہو چکا ہے۔ اب دوبارہ

اس کو ترجمان القرآن میں شائع کیا جاتا ہے۔“

انسان کے مذہبی تصورات میں عبادت کا تصور سب سے پہلا اور اہم تصور ہے، بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ مذہب کا بنیادی تصور عبادت ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک نوع انسانی کے جتنے مذاہب کا پتہ چلا ہے، عام اس سے کہ وہ انتہا درجہ کی وحشی اقوام کے اوہام ہوں، یا اعلیٰ درجہ کی متمدن اقوام کے پاکیزہ معتقدات، ان میں سے ایک بھی عبادت کے تخیل و تصور سے خالی نہیں۔ آثار قدیمہ کی تلاش و جستجو کے سلسلہ میں پرانی سے پرانی قوموں کے جو نشانات ملے ہیں وہ اس امر کی شہادت دے رہے ہیں کہ گو وہ قومیں عقل و شعور کے بالکل ابتدائی درجہ میں تھیں، لیکن اس حالت میں بھی انھوں نے اپنی بساط بھر کسی نہ کسی معبود کو ضرور ڈھونڈا ہے، اور کوئی نہ کوئی طریق عبادت ضرور اختیار کیا ہے۔ قدیم قوموں کو جانے دیجئے۔ آج بھی بہت سی انسانی جماعتیں زمین کے مختلف گوشوں میں موجود ہیں جو عقلی و ذہنی اعتبار سے اپنی نوع کے ابتدائی ادوار کی نمایندگی کرتی ہیں۔ ان کے حالات کا مطالعہ کرنے والوں نے گواہی دی ہے کہ ان میں شغل ہی سے کوئی ایسی جماعت دیگھی گئی ہے جو عبادت کے تصور سے کلیتہً خالی ہو۔ پس یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ انسان قدیم ترین وحشت و بداوت سے لیکر جدید ترین تہذیب و حضارت تک جتنے مراح سے گزر رہا ہے ان میں سے ہر درجہ میں عبادت کا تصور اس کے ساتھ ساتھ رہا ہے۔

گو اس کے مظاہر اور اشکال میں بے شمار تغیرات و اختلافات رونما ہوئے ہیں۔

غور کرنا چاہیے کہ ایسا کیوں ہے؟ کیا وجہ ہے کہ یہ خیال سارے بنی آدم پر حاوی ہے اور تمام زمانوں میں باوجود اختلاف احوال یکساں حاوی رہا ہے؟ کیا یہ بالارادہ اختیار کیا گیا ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو ساری نوع پر اس کا اس طرح حاوی ہو جانا غیر ممکن تھا۔ کیونکہ بالارادہ اختیار کی ہوئی چیزوں میں کبھی کامل اتفاق نہیں ہوتا اور نہیں ہو سکتا۔ انسان کی اختیار کی ہوئی چیزوں میں سے ایک بھی ایسی نہ ملے گی جس کے اندر ہر مرتبہ اور ہر دور کی تمام انسانی جماعتیں یکساں مشترک ہوں۔ اور یہی طرح متصور نہیں ہے کہ ہر زمانہ کے آدمیوں نے ایک عالمگیر کانفرنس کر کے باہم یہ فیصلہ لیا ہو کہ وہ کسی نہ کسی کی عبادت منور کریں گے، خواہ جسو مختلف اور طریقہ ہائے عبادت بے شمار ہوں۔ پھر جب یہ چیز اختیار کی نہیں ہو سکتی تو لامحالہ یہ ماننا پڑیگا کہ عبادت کا جذبہ انسان کے اندر ایک فطری جذبہ ہے جس طرح انسان کو کھو فطری طور پر لگتی ہے اور اس کو فرو کرنے کے لیے وہ غذا تلاش کرتا ہے جس طرح اسے سردی اور گرمی فطری طور پر محسوس ہوتی ہے اور اس سے بچنے کے لیے وہ سایہ اور لباس ڈھونڈتا ہے، جس طرح ادائے مافی الضمیر کی خواہش اس میں فطری طور پر پیدا ہوتی ہے اور اسے پورا کرنے کے لیے وہ الفاظ و اشارات بہم پہنچاتا ہے بالکل اسی طرح عبادت کا جذبہ بھی انسان میں فطرۃً پیدا ہوتا ہے، اور اس کی تسکین کے لیے وہ کسی معبود کو تلاش کرتا اور اس کی بندگی کرتا ہے۔ مگر جیسا کہ ہم بھوک، اور سردی و گرمی کے احساس، اور ادائے

لہ معروض کہہ سکتا ہے کہ ایسے افراد بجز پائے جاتے ہیں اور ایسی جماعتیں بھی موجود ہیں اور تقریباً ہر زمانہ میں موجود ہیں جن کا کوئی مذہب نہیں اور جو عملاً و اعتقاداً کسی کی عبادت نہیں کرتیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح خنثیوں کی ایک کثیر جماعت کا موجود ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ جذبہ شہوت ایک فطری جذبہ نہیں ہے اور جس طرح مجردوں اور راہبوں کے ایک بڑے گروہ کا وجود اس بات کی دلیل نہیں کہ ازدواج کی خواہش ایک فطری خواہش نہیں ہے، اسی طرح ایسے افراد یا جماعتوں کا موجود ہونا بھی، جذبہ عبادت کا فطری جذبہ مردہ یا بے حوصلہ چکا ہے اس دعوے کی دلیل نہیں بن سکتا کہ انسان میں عبادت کا جذبہ فطری نہیں ہے۔

مافی الضمیر کی خواہش کے معاملہ میں دیکھتے ہیں فطرت کا اثر زیادہ تر اس مجرد داعیہ کی حد تک رہتا ہے جو انسان کو غذا، سایہ لباس اور وسیلہ اظہار مافی الضمیر کی تلاش پر مجبور کرتا اور جسم کے ان اعضا کو جو ان کاموں کے متعلق ہیں حرکت دینے پر ابھارتا ہے، اور اسی حد تک تمام انسانوں میں اشتراک بھی پایا جاتا ہے۔ اس کے آگے فطرت کا اثر کمزور اور خود انسان کا اپنا اختیار غالب ہو جاتا ہے اور یہیں سے وہ بے شمار اختلافات شروع ہوتے ہیں جو غذا، مکان، لباس، زبان اور اشارات و علامات کی مختلف صورتوں اور حیثیتوں کے اعتبار سے ہر زمانہ کی مختلف قوموں میں پائے گئے ہیں۔ قریب قریب یہی حال عبادت کے فطری جذبہ کا بھی ہے کہ وہ انسان کو بندگی و پرستش پر اکسا کر چھوڑ دیتا ہے اور اس کے بعد یہ خود انسان کا اپنا کام ہوتا ہے کہ اس جذبہ کی تسکین کے لیے کوئی معبود و تلاش کرے اور اس کی عبادت کا کوئی طریقہ نکالے۔ اسی اختیار کی حد پر پہنچ کر معبودوں کی عبادت کے طریقوں میں وہ اختلاف شروع ہوتا ہے جو انسان کی اختیار کی ہوئی عام چیزوں میں نظر آتا ہے۔ گو اس معاملہ میں بھی فطرت کی رہنمائی انسان کا ساتھ بالکل نہیں چھوڑتی جیسا کہ غذا اور لباس وغیرہ فطری مصلحتوں کے انتخاب میں نہیں چھوڑتی ہے لیکن یہ رہنمائی اتنی رخصت لی اور خفی ہوتی ہے کہ اس کا ادراک کرنے کے لیے نہایت لطیف و نازک شعور کی ضرورت ہے جو بہت کم لوگوں کو حاصل ہوتا ہے۔

آئیے اب ہم سراغ لگائیں کہ اس فطری داعیہ کا سرشتہ کہاں سے ملتا ہے؟ اس کشش کا مرکز کہاں ہے جو انسان کو عبادت کے لیے کھینچتی ہے؟ کوئی قوتیں ہیں جو اسے معبود کی تلاش اور اس کی عبادت پر ابھارتی ہیں؟ اور وہ کیا رہنمائی ہے جو اس تلاش میں ہم کو خود فطرت سے حاصل ہوتی ہے؟ اس کے لیے ہم کم سب سے پہلے خود عبادت کی حقیقت پر غور کرنا چاہیے کہ اس کے بغیر ان سوالات کا حل مشکل ہے۔

عبادت کا تصور دراصل ایک جامع تصور ہے جو دو ذیلی تصورات کے امتزاج سے مکمل ہوتا ہے۔ ایک بندگی، دوسرے پرستش۔ بندگی کے معنی ہیں کسی بالاتر قوت کی بڑائی تسلیم کر کے اس کی فرمان برداری اور اطاعت کرنا اور پرستش کے معنی ہیں کسی بالاتر ہستی کو پاک، مقدس اور بزرگ سمجھ کر اس کے آگے ستر

جھکا دینا اور اسے پوجنا۔ ان میں سے پہلا تصور عبادت کا ابتدائی اور بنیادی تصور ہے۔ اور دوسرا تصور انتہائی اوپر کی پہلا زمین کی حیثیت رکھتا ہے اور دوسرا عمارت کی۔ اس لیے ہمیں اپنی تحقیق کی ابتدا پہلے تصور سے کرنی چاہیے۔

بندگی یا فرمانبرداری و اطاعت ہمیشہ اس قوت کے مقابلہ میں کی جاتی ہے جو بندگی کرنے والے پر قہر و غلبہ اور قدرت و استیلا رکھتی ہو، اور بندے یا مطیع اس کے حکم سے سرتابی کا یا رائے جو اس کی ایک محدود شکل تو وہ ہے جو آقا اور نوکر کے درمیان ہم عموماً دیکھتے ہیں، لیکن اس سے زیادہ وسیع تصور کے لیے سب سے زیادہ واضح مثال وہ بندگی ہے جو رعایا اپنی حکومت کی کرتی ہے حکومت کوئی مادی شے نہیں، نہ محسوس و مشاہد چیز ہے ایک نظام و ضابطہ کی بندش ہے جس کا غلبہ و استیلا لاکھوں کروڑوں آدمیوں پر حاوی ہوتا ہے۔ رعایا اس کے قانون پر طوعاً و کرہاً چلتی ہے۔ لوگ اپنے گھروں میں، کسان اپنے کھیتوں میں اور مسافر دور دراز جنگلوں میں، جہاں نظام حکومت کا زور جتانے والی کوئی چیز موجود نہیں ہوتی، اس کے قوانین کی اطاعت کرتے ہیں اور اس کے حدود اختیار میں رکھ کر جو شخص اس کے قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے وہ سزا پاتا ہے اور زیادہ شدید نافرمانی کی صورت میں اس کے تمام وہ حقوق سلب ہو جاتے ہیں جو رعیت ہونے کی حیثیت سے اس کو حاصل تھے اس لحاظ سے جس قدر لوگ کسی حکومت کے حدود میں رہتے ہیں اور اس کے قوانین کی پابندی کرتے ہیں ان کے متعلق ہم کہا کرتے ہیں کہ وہ فلاں حکومت کی فرمانبرداری و اطاعت کر رہے ہیں، اور اگر ہم ان الفاظ کی جگہ مذہبی اصطلاح استعمال کریں تو کہہ سکتے ہیں کہ وہ اس کی بندگی و عبادت کر رہے ہیں۔

اب اس تصور کو اور زیادہ وسیع کیجئے۔ پوری کائنات پر نظر ڈالیے۔ آپ دیکھیں گے کہ سارا عالم اور اس کا ایک ایک ذرہ ایک زبردست نظام میں جکڑا ہوا ہے، اور ایک قانون ہے جس پر خدا کے ایک ذرہ سے لے کر آفتاب و مانتاب تک ساری کائنات طوعاً و کرہاً عمل کر رہی ہے کسی شے کی یہ

مجال نہیں کہ اس قانون کے خلاف چل سکے اور جو چیز اس سے ذرہ برابر سرتابی کرتی ہے وہ فساد اور فنا کی شکار ہو جاتی ہے۔ یہ زبردست قانون جو انسان، حیوان، درخت، پتھر، ہوا، پانی، اجسام ارضی اور اجرام فلکی سب پر یکساں حاوی ہے، ہماری زبان میں قانون فطرت یا قانون قدرت کہلاتا ہے، اس کے تحت جو کام جس چیز کے سپرد کر دیا گیا ہے وہ اس کے کرنے میں مشغول ہے۔ ہوائیں اس کے اشارے پر چلتی ہیں، بارش اس کے حکم سے ہوتی ہے، پانی اس کے فرمان سے بہتا ہے، سیارے اس کے ارشاد سے حرکت کرتے ہیں، غرض اس تمام کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے اسی قانون کے ماتحت ہو رہا ہے، اور ہر ذرہ اس کام میں لگا ہوا ہے جس پر اس قانون نے اسے لگا دیا ہے جس چیز کو ہم زندگی، بقا اور کون کہتے ہیں وہ دراصل نتیجہ ہے اسی قانون کی اطاعت کا۔ اور جس چیز کو ہم موت، فنا اور فساد کہتے ہیں وہ حقیقتہً نتیجہ ہے اس قانون کی خلاف ورزی کا۔ دوسرے الفاظ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہر شے جو زندہ اور باقی ہے وہ اس قانون کی اطاعت کر رہی ہے، اور کائنات عالم میں کوئی شے زندہ اور باقی رہ نہیں سکتی اگر وہ اس کی اطاعت نہ کرے۔

لیکن جس طرح حکومت کی مثال میں ہم دیکھتے ہیں کہ قانون کی اطاعت دراصل قانون کی اطاعت نہیں، اس حکومت کی اطاعت ہے جس نے اپنے قہر و غلبہ سے اس قانون کو نافذ کیا ہے، اور حکومت نظم و ضبط قائم کرنے کے لیے لامحالہ ایک حاکم، ایک مرکزی فرمانروا، ایک مقتدر اعلیٰ ہستی کا وجود ضروری ہے، بالکل اسی طرح قانون فطرت کی اطاعت بھی دراصل اس قابرو غالب حکومت کی اطاعت ہے جو اس قانون کو بنانے اور وقت سے اس کو چلانے والی ہے، اور یہ حکومت ایک فرمانروا کے دست قدرت میں ہے جس کے بغیر اتنا بڑا عالمگیر نظام ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں چل سکتا۔ یہاں اگر ہم قانونی لفظ ”اطاعت“ کو مذہبی اصطلاح ”عبادت“ سے بدل دیں اور لفظ ”حاکم“ کی جگہ ”اللہ“ یا ”خدا“ کا لفظ رکھ دیں تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ ساری کائنات اور اس کی ہر چیز اللہ کی عبادت کر رہی ہے، اور یہ ایسی عبادت ہے جو

ہر شے کے وجود و بقا کا انحصار ہے۔ کائنات کی کوئی شے اور مجموعی طور پر ساری کائنات اللہ کی عبادت سے ایک لمحہ کے لیے بھی غافل نہیں ہو سکتی اور اگر غافل ہو جائے تو ایک لمحہ کے لیے بھی باقی نہیں رہ سکتی۔

قرآن مجید میں اس بندگی کو کہیں عبادت سے تعبیر کیا گیا ہے کہیں تسبیح و تقدیس سے کہیں سجود

سے اور کہیں قنوت سے چنانچہ جگہ جگہ اس مضمون کی آیات آتی ہیں :-

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِي (۱۶:۲۲) میں نے جن اور انسان کو اسی لیے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کرے
وَلَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ كُلُّ لَّهُ قَانُتُونَ (۳:۳۰) آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے سب اسی کے حکم کے آگے جھکے ہوئے ہیں۔

وَلَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ عِنْدَهُ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْسِرُونَ (۲:۲۱) آسمانوں اور زمین میں جس قدر مخلوقات ہیں اور جو اس کے پاس ہیں سب اسی کے ہیں وہ اس کی عبادت سے تڑپا نہیں کرتے اور نہ تمسکتے ہیں رات دن اس کی تسبیح میں لگے ہوئے ہیں اور کبھی اس سے کاہلی نہیں کرتے۔

يُسَبِّحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (۱:۶۲) آسمانوں اور زمین میں جو چیز ہے اللہ ہی کی تسبیح کر رہی ہے وہ بادشاہ ہے پاک غالب، اور صاحب حکمت

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْبِغُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرِ صَفَاتٍ كُلُّ قَدْ عَلِمَ صَلَوَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ وَاللَّهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ (۵:۲۴) کیا تو نہیں دیکھتا کہ جس قدر مخلوق آسمانوں اور زمین میں ہے اور جو پرندے پر پھیلائے اڑ رہے ہیں سب اللہ ہی کی تسبیح کر رہے ہیں سب اپنی نماز اور تسبیح کا طریقہ جانتے ہیں اور زمین و آسمان کی حکومت اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے اور سب کو اسی کی طرف جانا ہے۔

يُسَبِّحُ لَهُ السَّمَوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ

فِيهِمْ وَ إِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يَسْبُحُ بِحَمْدِهِ ۚ
وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ (۵: ۱۵)
تسبیح کر رہے ہیں اور کوئی چیز نہیں جو اس کی حمد کے گیت
نہ گاتی ہو، مگر تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو۔
الشمس والقمر بحسبان والنجم ليحجداً
سورج اور چاند ایک حساب چکر لگا رہے ہیں اور درخت
اور بوٹے سجدے میں ہیں۔ (۱: ۵۵)

”کیا ان لوگوں نے خدا کی مخلوق میں کسی چیز کی طرف نظر نہیں کی جن کے سایے دائیں اور
بائیں جھکتے ہیں، گویا اللہ کے آگے سر سجدہ ہیں، اور انہیں عجز کر رہے ہیں، اور جتنے جاندار
اور ملائکہ آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں اور اس کے حکم سے سر
نہیں کرتے اور اپنے رب سے جو بالاتر ہے ڈرتے ہیں اور جو ان کو حکم دیا جاتا ہے وہی
کرتے ہیں“ (۵: ۱۶)۔

”تو نہیں دیکھنا کہ جو مخلوق آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، اور چاند اور سورج اور
تارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت سے نیک آدمی اور بہت سے وہ بھی جو اپنی
نافرمانی کی وجہ سے سخت عذاب میں پھنسے ہوئے ہیں، سب کے سب اللہ کے آگے سر سجدہ ہیں“ (۲: ۲۲)
زمین اور آسمان میں جس قدر چیزیں ہیں سب طوعاً و کرہاً اللہ ہی کو سجدہ کر رہی ہیں (۲۱)“

یہ عبادت، یہ سجود، تسبیح، یہ قنوت تمام جاندار اور بے جان ذی شعور اور بے شعور چیزوں پر
یکساں حاوی ہے، اور انسان بھی اس پر اسی طرح مجبور ہے جس طرح مٹی کا ایک ذرہ، پانی کا ایک قطرہ
اور گھاس کا ایک ٹکڑا انسان خواہ وہ خدا کا قائل ہو یا منکر، خدا کو سجدہ کرتا ہو یا پتھر کو، خدا کی پوجا کرتا
ہو یا غیر خدا کی، جب تک وہ قانون فطریہ پر چل رہا ہے، اور اس قانون کے تحت زندہ ہے، بغیر جانے بوجھے
بلاعمد و اختیار طوعاً و کرہاً خدا کی عبادت کر رہا ہے اسی کے سامنے سر سجدہ ہے اور اسی کی تسبیح میں لگا ہوا
اس کا پلنا پھرنا، سونا جاگنا، کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، سب اسی کی عبادت ہے۔ چاہے وہ اپنے اختیار

کسی اور کی پوجا کر رہا ہو اور اپنی زبان سے کسی اور کی بندگی و اطاعت کا اقرار کر رہا ہو، مگر اُس کا روٹھا روٹھا اسی خدا کی عبادت میں مشغول ہے جس نے اسے پیدا کیا ہے، اس کا خون اُسی کی عبادت میں حکر لگا رہا ہے، اُس کا قلب اسی کی عبادت میں متحرک ہے، اس کے اعضاء اُسی کی عبادت میں کام کر رہے ہیں اور خود اس کی وہ زبان جس سے وہ خدا کو جھٹلاتا اور غیروں کی حمد و ثنا کرتا ہے، اسی کی عبادت میں چل رہی ہے۔

اس عبادت کا صلہ یا اجر خدا کی طرف سے کیا ملتا ہے؟ فیضان وجود، رزق اور قوت بقا۔ جتنی چیزیں خدا کے قانون پر چلتی ہیں، اور اس کی بندگی کرتی ہیں، وہ زندہ اور باقی رہتی ہیں اور انہیں وہ وسیلہ بقا عطا کیا جاتا ہے جسے ہم اپنی بولی میں ”رزق“ کہتے ہیں۔ اور جو چیزیں اس کے قانون سے انحراف کرتی ہیں ان پر فساد مسلط ہو جاتا ہے اُن کا رزق بند ہو جاتا ہے، اور وہ فیضان وجود سے محروم ہو جاتی ہیں۔ یہ معاملہ کائنات کی ہر چیز کے ساتھ ہو رہا ہے اور اس میں شجر و حجر، حیوان و انسان، کا خر و شکر درمیان کوئی امتیاز نہیں۔

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا
کوئی چیز زمین چلنے والی ایسی نہیں جس کا رزق اللہ کے

دست نہ ہو اور اللہ اس کے ٹھکانے اور سونپے جانے کی جگہ جانتا ہے۔ (۱: ۱۱)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ
اَلَمْ يَخْلُقْ غَيْرُ اللَّهِ يَرْزُقْكُمْ مِنَ
السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَآفَئِ
تُؤْفِكُونَ۔ (۱: ۳۵)

اے لوگو! اپنے اوپر اللہ کی نعمت یاد کرو۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے جو زمین اور آسمان سے تم کو رزق دیتا ہو؟ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پھر تم کہہ دو کہ اللہ ہی ہے جو تم کو فکروں میں ڈالتا ہے۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ ذُلًّا لَا

وہی ہے جس نے زمین کو تمہارے لیے مطیع و سخر بنا دیا

فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِن رِّزْقِهَا
 اَمَّنْ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَمَنْ
 يُدْرِكُ قُلُوبَهُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ عَالِدٌ
 مَّعَ اللّٰهِ قُلْ هَا تُؤْبَرُّهُ اَنْتُمْ اِنْ كُنْتُمْ
 صٰدِقِيْنَ (۵۰: ۲۷)۔

پس تم اس کی پہنائیوں میں چلو پھرو اور اس کا رزق
 کون ہے جو مخلوقات کو اول بار پیدا کرتا ہے؟ اور
 کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے
 کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ اگر تم سچے
 ہونو اپنی دلیل پیش کرو۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَفًىٰ وَّ
 يَقْبِضْنَ مَا يُيَسِّرُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ اِنَّ
 بِكُلِّ شَيْءٍ بِصِيْرٌ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ
 جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ
 اِنْ اَنْكَرُوْنَ اِلَّا فِیْ غُرُوْرٍ۔ اَمَّنْ هٰذَا
 الَّذِیْ یَزْنِیْ فُكْرًا اِنْ اَمْسَكَ رِزْقُہٗ
 بَلْ تَجْعَلُوْنِیْ تَعْتُوْا وَكُفُوْرٍ۔ (۲: ۶۷)۔

کیا یہ لوگ پرندوں کو نہیں دیکھتے جو ان کے اوپر پر
 پھیلاتے اور سکیڑتے ہوئے اڑ رہے ہیں۔ رحمن کے سوا
 کوئی نہیں جو ان کو سنبھالے ہوئے ہو۔ وہ ہر چیز کی پو
 بھال کرنے والا ہے۔ اور یہ رحمن کے سوا اور کون ہے جو
 تمہارا لشکر بن کر تمہاری مدد کرتا ہے؟ مگر کافر ہیں کہ تو
 میں پڑے ہوئے ہیں اور اگر اللہ اپنا رزق بند کر دے تو کو
 ہے جو تم کو رزق دے سکتا ہے؟ مگر کافر کشتی اور بری پر چبے ہوئے

اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ جس طرح انسان اس بندگی میں دوسری اشیاء کے
 مساوی ہے، اسی طرح اُس کے اجر اور معاوضہ میں بھی وہ مساوی رکھا گیا ہے! انعام کی صورتوں کا فرق
 سمجھ بھی ہے، دراصل استعداد اور حاجتوں کے فرق پر مبنی ہے لیکن صورتوں سے قطع نظر کر کے اگر حقیقت کو
 دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ایک درخت، ایک جانور، ایک چڑیا، ایک گھانس کی پتی کی احتیاج
 و استعداد کے مطابق اللہ اس کی دیکھ بھال، خبر گیری، امداد و اعانت، اور رزق رسانی کر رہا ہے،
 اسی طرح انسان کی احتیاج و استعداد کے مطابق اس پر بھی انعام فرماتا ہے۔ اس بارے میں انسان کو
 ادنیٰ سے ادنیٰ مخلوقات کے مقابلہ میں اگر کوئی فضیلت ہے تو وہ محض صورت انعام کے اعتبار سے ہے

ذکر حقیقت انعام کے اعتبار سے۔ اور صورت انعام کا حال یہ ہے کہ وہ ہر شے کی طبیعت اور حالت کے عین مناسب ہے۔ ایک چوہے پر جو انعام فرمایا گیا ہے، انعام کی وہی صورت۔ اس کی فطرت اور ضرورت سے مناسبت رکھتی ہے۔ دوسری کوئی صورت جس کو ہم بہتر سمجھتے ہیں اس کے لیے انعام نہیں سزا ہو جائے گی ایک بڑے سے بڑا منعم انسان جو آرام اپنی پھولوں کی سیج پر محسوس کرتا ہے، وہی آرام ایک چھوٹی سے چھوٹی چڑیا اپنے گھانے پھونس کے گھونسلے میں محسوس کرتی ہے۔ پھولوں کی سیج تنکوں کے گھونسلے پر لاکھ فخر کرے۔ مگر حقیقت میں گھونسلے والے کی استعداد کے مطابق اس کی احتیاج اسی طرح پوری کی گئی۔ جس طرح پھولوں کی سیج پر سونے والے کی استعداد کے مطابق اس کی احتیاج پوری کی گئی ہے۔ اس حقیقت سے دونوں پر خدا کا انعام یکساں ہے۔ پھر یہی معاملہ کافر و شاکر، مومن و مشرک کے ساتھ بھی یکساں ہے۔ جو لوگ خدا کے منکر ہیں اور اس کی پرستش نہیں کرتے، جو اس کے ساتھ اس کی مخلوق کو شریک کرتے ہیں، جو شجر و حجر کو اس کا مقابل ٹھہراتے ہیں، ان پر بھی رزق اور فیضان وجود اور حفاظت و خبر گیری کا انعام اسی طرح ہوتا ہے جس طرح بچے موحّدوں اور خدا پرستوں پر ہوتا ہے بلکہ اگر قانون فطرت کی پیروی یا بالفاظ دیگر ”ظہری عبادت“ میں ایک کافر ایک مومن سے بڑھا ہوا ہے، تو اس کی ”عبادت“ کا صلہ بھی کافر کو مومن سے بہتر صورت میں عطا ہوتا ہے خواہ وہ حقیقت میں نگلہ میں متلع غرور ہی کیوں نہ ہو۔

اب یہ سوال باسانی حل ہو جاتا ہے کہ انسان میں عبادت کا جذبہ فطری طور پر کیوں پیدا ہوتا ہے؟ اور وہ کیوں اپنے معبود کو تلاش کرتا ہے؟ جب ساری کائنات اور اس کی ہر چیز ایک غالب قہر، فرمانروا کی بندگی کر رہی ہے، اور خود انسان کا ایک ایک رونگٹا اس کی عبادت میں لگا ہوا ہے، اور وہ تمام عناصر جن سے انسان کا جسم مرکب ہے اس کے آگے سربسجود ہیں، اور جسم انسانی میں ان عناصر کی ترکیب اسی کے فرمان سے ہوئی ہے، اور انسان کا وجود و ہر آن اس کی بندگی پر منحصر ہے، تو آپ سے آپ کی بندگی و عبادت انسان کی سرشت میں داخل ہو گئی ہے۔ گو وہ اس حکومت کو نہیں دیکھتا جس کا وہ

بندہ ہے نہ ذمیوی حکومتوں کی طرح اس خدائی حکومت کے عامل اور نمایندے اس کے سامنے آتے ہیں مگر چونکہ وہ بندہ ہی پیدا ہوا ہے، اور بلا ارادہ ہر وقت بندگی کر رہا ہے، اور اس کے مالک کی حکومت سے ہر طرف سے اندر سے بھی اور باہر سے بھی، اس کو اور اس کے گرد و پیش کی تمام چیزوں کو جکڑ رکھا ہے، اپنی فطری طور پر اس کے اندر ایک نیاز مندی، ایک نیایش و گرائش، ایک پستش و عبریت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اور اس کا دل بے اختیار کسی معبود کو تلاش کرتا ہے کہ اس کی حمد و ثنا کرے، اس کی بڑائی بیان کرے، اس کے آگے اپنی بندگی و عقیدت کی مذ پش کرے، اس سے اپنی حاجتوں میں مدد مانگے، اور ہر آفت کے اس کے دامن میں پناہ ڈھونڈے یہی رشتہ ہے جس نے ابتدائے آفرینش سے انسان کو تلاش معبود پر مجبور کیا ہے یہی تحریک پر اس نے ہمیشہ پستش کی کوئی نہ کوئی شکل اختیار کی ہے اور یہی وہ عنصر ہے جس سے مذہب کی پیدائش ہوتی ہے لیکن جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے فطرت نے ہر مادی میں انسان کے اندر ایک جزیرہ طلب ایک سادہ خواہش، ایک خالص کشش پیدا کر کے اس کو چھوڑ دیا ہے کہ اپنے متعلقہ کو خود تلاش کرے گویا یوں سمجھیے کہ فطرت انسان سے آنچھوڑ چھوٹی کھیلتی ہے۔ ایک نامعلوم چیز کی طلب پر کساتی ہے اور پردے کے پیچھے چھپ جاتی ہے، تاکہ وہ اپنی عقل پر زور دے کر اپنے حواس سے کام لے کر معلوم کرے کہ اس کے دل میں جس چیز کی لگن لگی ہوئی ہے، اس کی فطرت جو شے مانگ رہی ہے، وہ کیا ہے اور کہاں ہے اور کس طرح اس کو حاصل کیا جائے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر انسان کو مشکلات پیش آتی ہیں اور اس نے اپنی عقلی استعداد، اپنی قوت فکر و تیز کی رسائی اور اپنے ذوق و وجدان کی صلاحیت کے مطابق اپنے لیے وہ مختلف راستے نکالے ہیں جو انسانی نوع انسان کے تمدن و معاشرت کی گونا گونی میں ہم دیکھ رہے ہیں اس میں شک نہیں کہ اس تلاش و جستجو اور اختیار و انتخاب میں فطرت نے کبھی اس کا ساتھ نہیں چھوڑا ہے۔ مگر جس طرح وہ ہر قدم پر حیوانات کی رہنمائی کرتی ہے، اس طرح انسان کی رہنمائی نہیں کرتی۔ انسان کو وہ نہایت لطیف اشاروں میں ہدایت دیتی ہے، نہایت خفیف روشنی دکھاتی ہے جس کا ادراک معمولی عقل و بصیرت والے لوگوں

نہیں کر سکتے۔ اسی وجہ سے اکثر ایسا ہوا ہے کہ انسان کا اختیار تیزی صحیح راستہ کی تلاش میں ناکام ہوا اور ہوائے نفس اس کو غلط راستوں پر بھٹکائے گئی۔

مثال کے طور پر غذا کی خواہش پیدا کرنے سے فطرت کا منشاء یہ تھا کہ انسان ایسا مواد اپنے جسم کو مہیا کرے جس سے وہ زندہ رہ سکے اور تحلیل شدہ اجزاء کا بدل اس کو ملتا رہے مگر بہت سے اس خوردن برائے زیستن کی حقیقت کو نہ سمجھے، تلاش غذا پر ابھارنے کے لیے جو ذالیقہ کی چاشنی فطرت نے اس کے کام و دہن میں لگا دی تھی، اسی کو وہ اصل مقصود سمجھ بیٹھے اور ہوائے نفس ان کو زیستن برائے خوردن کی غلط فہمی میں مبتلا کر کے فطرت کے اصل منشاء سے دور ہٹائے گئی۔ اسی طرح لباس اور مکان کی طلب دراصل موسمی اثرات سے جسم کو محفوظ رکھنے کے لیے پیدا کی گئی تھی۔ مگر ہوائے نفس نے اس کو زیست

و آرایش اور اظہار شان و ترفع کا ذریعہ بنالیا، اور انسان فطرت کے منشاء سے تجاوز کر کے انواع و اقسام کے نفیس لباس اور عالیشان محل بنانے لگا جو آخر کار خود اسی کے لیے مضرت رساں ثابت ہو رہی حال، ان تمام داعیات فطرت کا ہوا ہے جنہوں نے انسان میں مختلف چیزوں کی طلب پیدا کی، اور اس نے فطرت کے منشاء کو نہ سمجھ کر یا بسا اوقات سمجھنے کے باوجود نظرائم از کر کے اپنے اختیار سے آپ طلب کو پورا کرنے کے لیے وہ مختلف دھنگ اور طریقے نکال لیے جو فطرت کے اصل مقصد سے زائد اور بہت سے معاملات میں اس کے خلاف تھے۔ پھر یہی چیزیں اگلوں سے پھلوں تک تمدن و تہذیب، رسم و رواج اور آداب و اطوار بن کر پہنچیں جن کی گرفت نے بعد کی انسانی نسلوں کو ایسا جکڑا کہ فطرت کی زنگار کو سمجھنا تو درکنار ان کے لیے اپنے اختیار تیزی کو استعمال کرنے کی آزادی بھی باقی نہ رہی، اور اسلاف کے طریقوں نے مقدس قوانین بن کر ان کو اندھی تقلید کے رستے پر ڈال دیا۔ حالانکہ فطرت جس طرح پہلے انسان کو لطیف اشارے اور خفیف ہدایتیں دے رہی تھی اسی طرح آج بھی دے رہی ہے اور ہمیشہ دیتی رہے گی جنہیں عقل سلیم غور سے یا بہت اجتہاد سے ہر وقت سمجھ سکتی ہے۔

تلاش معبود کی فطری خواہش کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی معاملہ پیش آیا ہے جب انسان نے عبادت کے جذبہ سے بے چین ہو کر اپنے لیے کسی معبود کو دھونڈنا شروع کیا تو فطرت اپنے اُسی لطیف انداز میں اس کو معبود حقیقی کے اتے پتے دینے لگی کہ تیرا معبود وہ ہے جس نے تجھے پیدا کیا ہے، جو تجھ سے بالاتر ہے جس کی قوت سے تیرے ساتھ تو عاجز ہے، جو ہر چیز پر غالب ہے، جو تجھے اور ہر جاندار کو روزی دیتا ہے، جو اپنے حسن و جمال اور خوبی و رعنائی کی بنا پر ہر طرح تیری مدح و ستائش کا مستحق ہے، جس کا نور آفتاب و ماہتاب اور ستاروں کو روشنی دیتا ہے، جس کا جمال اپنے جلوؤں سے آب و گل کی صورتوں کو یہ جو بن اور یہ نکھار اور یہ دل فریب حسن بخش دیتا ہے، جس کا جلال پانی کی موج، ہوا کے طوفان، زمین کی لرزش، پہاڑ کی سر بلند ی، شیر کی زندگی اور سانپ کی گزندگی میں اپنی شوکت کا اظہار کرتا ہے جس کی ربوبیت ماں کے سینے میں محبت و شفقت بن کر، گائے کے تھن میں بن کر درخت کی ٹہنی میں پھل بن کر، پتھر کے کلیجے میں پانی بن کر ظہور کرتی ہے۔ یہ لطیف اشارے ہر زمانے میں مختلف سمجھ بوجھ کے لوگوں کو دیے گئے، اور ہر ایک نے اپنی اپنی بساط کے مطابق ان باتوں سے اس پہلی کو بوجھ کی کوشش کی۔

کسی نے ان صفات کے معبود کو زمین پر تلاش کیا اور پہاڑوں، دریاؤں، درختوں، اور فتنہ و شر پہنچانے والے جانوروں پر فریفتہ ہو گیا، مسنئی اعضا کو پوجنے لگا، آگ کے سامنے دھوئی رابھیٹھا، ہوا کے تگے سے سجدہ ہوا، دھرتی ماتا کو عقیدت کا غراج دینے لگا۔ غرض اس کی نظر اس پاس ہی کے مطالعہ میں الجھ کر رہ گئی۔

کسی کی نظر اس سے آگے بڑھی وہ ارضی معبودوں سے مطمئن نہ ہوا۔ اس نے دیکھا کہ یہ سب چیزیں تو اسی کی طرح کسی اور کی بندگی میں مبتلا ہیں، خود اپنے وجود و نبھائے لیے بھی غیر کی محتاج ہیں۔ ان کے پاس کیا رکھا ہے جس کے لیے ہم استعانت کا ہاتھ بڑھائیں اور عقیدت کی پیشانی جھکائیں۔ آخر اس نے زمین کو چھو کر آسمان پر اپنے معبود کو تلاش کیا۔ سورج کو دیکھا چاند پر نظر ڈالی، اجرام غلیکہ کی چمک دیکھی، اور کہا کہ

یہ میں عبادت کے لائق۔

مگر جو اس سے بھی زیادہ باریک بین تھا اس کو آسمان والوں کا حال بھی زمین والوں سے کچھ زیادہ نظر آیا۔ اس نے کہا کہ یہ لاکھ لاکھ دوبرہ سہی روشن اور روشن مگر سہی لیکن اپنے اختیار سے کیا کر سکتے ہیں؟ ایک مقررہ قانون ایک لگے بندھے نظام کے تحت گردش کیے جا رہے ہیں سورج کو ایں بہ غفلت و بزرگی آج تک یہ مجال نہ ہوئی کہ مشرق کے پچائے کسی روز مغرب سے نکل آتا یا اپنے مقام سے ایک ہی انچ سرک جاتا چاند کبھی اس قبال نہ ہوا کہ جو دن اس کے ہلال بنے کا تھا اس دن بدر بن کر نکلتا۔ اسی طرح کوئی اور سیارہ بھی اپنی مقرر گردش سے کبھی یک سر ہو تجا ورنہ محسوس کیا۔ اس بندگی بے چارگی، کھلی ہوئی غلامی کو دیکھ کر اس جو پائے معبود نے آسمان سے بھی منہ موڑ لیا، تمام مادی جسمانی چیزوں کو ناقابل پرستش قرار دیا، اور اپنے معبود کی تماش میں معافی مجرورہ اور روحانیات کی طرف پیش قدمی کی۔ نور کا پروانہ بنا، دولت کی دیوی پر فریفتہ ہوا، محبت کے دیوتا پر کھجوا، حسن کی دیوی کا گردیدہ ہوا، قوت کے دیوتا کو سجدہ کیا، مدبریت عالم کے تسکین تجویز کیے اور ان کی عزت، اختیار کی ارجح اور عقول اور ملائکہ کو مسجود بنایا، اور سمجھا کہ یہی عبادت کے لائق ہیں۔ اس عروج کائنات کی ہر ذرہ چیز جس کے اند مختلف قابلیتوں کے لوگوں کو اپنی اپنی فکر کی رسانی اور نظر کی استعداد کے مطابق بڑی ربوبیت، قدرت، حسن، جلال اور خاقیت کی جھلک نظر آتی، اس کے آگے جھبک گئے اور فطرت کے دیے ہوئے سراغ پر جو شخص جنبی دور جا سکا، گھیا، اور ٹھیر گیا مگر جو لوگ زیادہ صبح و جدان زیادہ لطیف اور پاک، اور زیادہ سلیم عقل رکھتے تھے، اور فطرت کے بتائے ہوئے نشانات پر ٹھیک سفر کر رہے تھے، وہ ان ارضی و سماوی معبودوں اور روحانی و خیالی دیوتاؤں میں سے ایک سے بھی مطمئن نہ ہوئے۔ سچ کی منازل میں سے ایک پر بھی نہ ٹھیرے اور بڑھتے بڑھتے اس منزل پہنچ گئے جہاں انھیں کائنات کی تمام مادی و روحانی ذہنی، علوی اور سفلی قوتیں کسی اور کی گرفت میں پکڑی ہوئی کسی اور کی بندگی میں مشغول کسی اور کے آگے جھکی ہوئی کسی اور کی تسبیح پڑھتی ہوئی نظر آ گئیں۔ یہاں انھوں نے اپنے دل کے کانوں سے یہ آواز سنی۔

لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ (۲۱: ۱۲) میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس تم میری ہی عبادت کرو۔
 یہ اسی معبود کی آواز تھی جس کی تلاش میں وہ چلے تھے مطلوب نے اپنا پتا آپ بتا دیا، سفر ختم ہو گیا، منزل مقصود مل گئی اور ڈھونڈنے والے مطمئن ہو گئے یہ ایک حقیقت ہے جس سے انکا نہیں بچا جاتا کہ اس آخری ہدایت کو پانے کے بعد پھر کوئی مزید تلاش و جستجو کے لیے بے چین نہ ہو اور بے چینی بے قراری بے اطمینانی جو کچھ بھی تھی بیچ کی نیندوں میں تھی۔ آخری منزل پہنچ کر ہر دل نے گواہی دی کہ جس کو ڈھونڈ رہے تھے وہ یہی ہے اب کسی تلاش و جستجو کی حاجت نہیں۔ (باقی)۔

مراۃ الثنوی

ترتیب

جناب قاضی تلمذ حسین صاحب ایم اے رکن دارالترجمہ
 ثنوی مولانا روم کا بہترین ایڈیشن جس میں ثنوی شریف کے مختصر مضامین کو
 ایک سلسلہ کے ساتھ اس طور پر مرتب کیا گیا ہے کہ پڑھنے والا مولانا کے مدعا اور ان
 کی تعلیم کو بڑی آسانی سے سمجھتا چلا جاتا ہے کئی انڈکس اور فہرستیں بھی ہیں جنکی مدد سے آپ
 حسب منشاء جو شعر چاہیں بحال کر سکتے ہیں، ایک بسیط فرہنگ بھی ملحق ہے، غرض یہ کہ اس کتاب سے ثنوی شریف
 سے فائدہ اٹھانے کیلئے ایسی سہولت مہیا کر دی ہے کہ ایک شخص بڑی آسانی سے کتاب کے مطالب
 پر عبور حاصل کر سکتا ہے۔ کاغذ کتابت طبعاً بہترین جلد نہایت اعلیٰ قیمت کے انگریزی نسخہ

دفتر ترجمان القرآن سے طلب کیجیے